*..*مسنون قضاءِعمری یا فوت شدہ نمازوں کی قضاء کا طریقہ*..*

فوت شدہ نمازیں درست طریقے سے قضاءپڑھنے کی اہمیت

واضح رہے کہ جو نمازیں کسی وجہ سےفوت گئی ہو، ان کی قضاء ضروری ہے، خواہ وہ کئی مہینے کی ہو، یا کئی سالوں کی ۔ ان ہی فوت شدہ نمازوں کی قضا پڑھنے کو ہمارے عرف میں قضاءِ عمری کہا جاتا ہے۔ یعنی پچھلی زندگی میں جتنی بھی نمازیں نیند، غفلت یاکسی اور وجہ سے چھوٹ گئی ہوں ،ان سب کی قضا پڑھنا قضاءِ عمری کہلاتا ہے۔احادیث مبارکہ میں واضح طور پر یہ اُصول بیان کردیا گیا ہے کہ جس شخص کی نماز غفلت یا سونے وغیرہ کی وجہ سے چھوٹ جائے تو یاد آنے یا نیند سے بیدار ہونے پر اس کی قضاء کرے۔ اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے بھی اس بات کی تعلیم دی ہے کہ نماز فوت ہوجانے کے بعد اس کی قضاء ضروری ہے، محض توبہ واستغفار اور پشیمانی کافی نہیں ۔اور قضاء پڑھنا ہی فوت شدہ نماز کا کفارہ ہے۔

جنگِ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضاء کی

جنگِ خندق کے موقع پر نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی کئی نمازیں فوت ہوئیں ، پھر آپ ﷺ نے اسی رات ان کی قضاء فرمائی۔عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

''مشرکین نے جنگ خندق کے دن رسول اللہ ﷺ کو چار نمازوں سے مصروف رکھا ۔ پھر آپ نے بلال کو اذان دینے کا حکم دیا، پھر اقامت کہی اور آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ پھر اقامت کہی، اور آپ ﷺ نے عصر کی نما زپڑھائی۔ پھر اقامت کہی اور آپ ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھائی۔ پھر اقامت کہی اور آپ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھائی۔''(نسائی،کتاب الاذان، باب الاجتزاء لذلك كله بأذان واحد والإقامة لكل واحدة منهما)

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ احزاب(خندق) کے دن فرمایا:

''ان لوگوں نے ہمیں درمیانی نماز(نمازِ کے پڑھنے) سے مشغول کیے رکھا، حتی کہ سورج غروب ہو

گی۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے۔پھر آپ ﷺ نے اسے عشاء اور مغرب کے درمیان (قضاء) پڑھا۔''(مسلم،کتاب الصلوة، بَاب قَضَاءِ الصَّلَاةِ الْفَائِتَةِ وَاسْتِحْبَابِ تَعْجِيلِ قَضَائِهَا)

اسی طرح نیند اور غفلت کی وجہ سے نماز چھوٹ جائے تو یاد آنے پر اسے قضاء کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

''جب تم میں سے کوئی نماز (پڑھنے کے وقت اس) سے سویا رہے،یا اس سے غافل ہو جائے، تو جب اسے یاد آئے ،وہ (نماز) پڑھ لے ، بے شک اللہ تعالیٰ نے (خود) ارشاد فرمایا ہے :''اور میری یاد کے وقت نماز قائم کرو ۔''(مسلم،کتاب الصلوة،بَاب قَضَاءِالصَّلَاةِ الْفَائِتَةِوَاسْتِحْبَابِ تَعْجِيلِ قَضَائِهَا)

جب نماز چھوٹ جائے تو اس کی قضاء ہی اس کا کفارہ ہے، کوئی اور طریقہ نہیں

قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ مسلمان کو اپنے تمام فوت شدہ نمازوں کی قضا کرنی چاہیے۔ اور یہ بات بھی نبی کریم ﷺ کی حدیث سے ثابت ہے کہ فوت شدہ نماز کی قضاء ہی اس کا کفارہ ہے، کوئی اور عمل اور طریقہ اس کا کفارہ نہیں بن سکتا۔جبکہ ڈرامہ باز پیرانِ باطل نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی مخالفت کرکے ایک بدعتِ سہیہ کو قضاءِ عمری کا نام دیا ہے،اور اسے قضاء نمازوں، بلکہ سینکڑوں سالوں کا کفارہ سمجھتے ہیں ۔انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا،لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذَلِكَ۔۔

''جو شخص کوئی نماز بھول جائے تو جیسے ہی اسے یاد آئے ، وہ نماز پڑھ لے ، اس نماز کا اس کے علاوہ اور

کوئی کفارہ نہیں ۔۔ ۔''(مسلم،بَاب قَضَاءِ الصَّلَاةِالْفَائِتَةِ وَاسْتِحْبَابِ تَعْجِيلِ قَضَائِهَا

ان احادیث سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ فرض نمازوں کی قضا ویسے ہی فرض ہے جیسا کہ ادا

نمازیں فرض ہیں۔تمام فقہاء اور جمہور محدثین اور جمہور اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے، گویا

کہ اس پر اُمت کا اجماع ہے۔اس لئے کہ اس بارے میں کسی کا اختلاف منقول نہیں۔

فوت شدہ نمازوں کی قضاء پڑھنا فرض ہے۔۔فقہاء احناف کا موقف

علامہ ابن نُجَیم مصری حنفی رحمہ متوفی 970 ہجری لکھتے ہیں:

فالأصل فيه أن كل صلاة فاتت عن الوقت بعد ثبوت وجوبها فيه فإنه يلزم قضاؤها، سواء تركها عمداً أو سهواً أو بسبب نوم، وسواء كانت الفوائت قليلةً أو كثيرةً

"(قضانمازوں کے سلسلے میں) اُصول یہ ہے کہ ہر وہ نماز جو کسی وقت میں واجب ہونے کے بعد چھوٹ گئی ہے، اس کی قضاء لازم ہے، خواہ وہ جان بوجھ کر چھوٹ گئی ہو،یا بھول جانے کی وجہ سے چھوٹ گئی ہو،یا نیند کی وجہ سے چھوٹ گئی ہو۔اور چاہے وہ نمازیں کم ہوں، یا زیادہ۔" (بحرالرائق،کتاب الصلاۃ ،باب قضاء الفوائت)

فوت شدہ نمازوں کی قضاء کا وقت

فتاوی عالمگیری میں لکھا ہے:

ثم ليس للقضاء وقت معين بل جميع أوقات العمر وقت له إلا ثلاثة: وقت طلوع الشمس، ووقت الزوال، ووقت الغروب. فإنه لا تجوز الصلاة في هذه الأوقات، كذا في البحر الرائق.

"فوت شدہ نماز کی قضاء کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں۔بلکہ تین مکروہ اوقات کے علاوہ ،ہر وقت پڑھی جا سکتی ہے:(تین مکروہ اوقات یہ ہیں):

ا۔ سورج طلوع ہونے کا وقت، ۲۔ زوال کا وقت، ۳۔ اور سورج غراب ہونے کا وقت۔اس لئے کہ ان اوقات میں نماز جائز نہیں۔یہی بات بحرالرائق میں بھی لکھی ہے۔"(فتاوی عالمگیری، کتاب الصلوۃ، الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت)

زوال یا استوائے شمس کا وقت وہ ہے جب سورج بالکل سروں کے اُوپر آجائے، اور پھر مغرب کی طرف ڈھلنے لگتا ہے تو اس کو زوال کہتے ہیں۔یہ نماز کے لئے مکروہ اور ممنوع وقت ہے۔

حاصل یہ کہ تین اوقات ایسے ہیں جن میں ہر قسم کی نماز منع ہے،خواہ فرض ہو، یا نفل۔ ادا (وقتی) نماز ہو، یا قضاء۔وہ اوقات یہ ہیں:

ا۔ عین سورج طلوع ہونے کا وقت، ۲۔ استواء شمس کا وقت، ۳۔ عین سورج غروب ہونے کا وقت۔

ان اوقات کے علاوہ دو اوقات ایسے ہیں جن میں نفل نما ز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے:

۱۔ صبحِ صادق سے طلوعِ آفتاب کا وقت، ۲۔ عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد سے غروبِ آفتاب تک۔

جبکہ ان دونوں اوقات (نمازِ فجر اور عصر کے بعد) فوت شدہ نمازوں کی قضا نماز پڑھنا جائز ہے۔

عین طلوعِ آفتاب کے وقت قضاء نماز پڑھنا جائز نہیں، اور فجر کے بعد سے طلوعِ آفتاب تک قضاء نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔لہذا ان تین اوقات کے علاوہ دن رات کے کسی بھی وقت قضاء نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

قضا پڑھتے وقت تعیین ضروری ہے

قضا نماز کی نیت میں ضروری ہے کہ جس نماز کی قضاء پڑھی جا رہی ہے، اس کی تعیین کی جائے یعنی فلاں دن کی فلاں نماز کی قضاء پڑھ رہا ہوں، مثلاً پچھلے جمعہ کے دن کی فجر کی نماز کی قضا پڑھ رہا ہوں۔ لہٰذا اگر متعینہ طور پر قضاء نمازوں کی تعداد اور اوقات کا علم ہو تو متعینہ طور پر نیت کرکے ایک ایک کر کے نماز قضاء پڑھی جائے۔ ابن عابدین شامی حنفی رحمہ اللہ متوفی 1272 ہجری لکھتے ہیں:

(قوله:كثرت الفوائت إلخ)مثاله:لو فاته صلاة الخميس والجمعة والسبت فإذا قضاها لا بد من التعيين لأن فجر الخميس مثلاً غير فجر الجمعة.

"(اگر کسی کی بہت سی نمازیں چھوٹ گئی ہو تو یہ نیت کرنا ضروری ہے کہ چھوٹی گئی پہلی ظہر پڑھنی ہے ، یا آخری)،مثلاً اگر جمعرات، جمعہ اور ہفتہ کی نمازیں چھوٹ گئی ہو تو ان کی قضاء کرتے وقت یہ تعیین کرنا ضروری ہے کہ کون سی نماز پڑھنی ہے، کیونکہ جمعرات کے دن کی فجر کی نماز جمعہ کے دن کی فجر کی نماز نہیں ہے ۔"(شامی، كتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت، فروع في قضاء الفوائت)

جب تعیین مشکل ہو

البتہ اگر متعینہ طور پر قضاء نماز کا دن اور وقت معلوم نہ ہو نے کی وجہ سے اس طرح متعین کرنا مشکل ہو تو اس طرح بھی نیت کی جاسکتی ہے کہ پہلاً جتنی فجر کی نمازیں مجھ سے قضاء ہوئی ہیں، ان میں سے پہلی فجر کی نماز ادا کر رہا ہوں۔ یا پہلاً جتنی ظہر کی نمازیں قضا ہوئی ہیں، ان میں سے پہلی ظہر
کی نماز ادا کر رہا ہوں۔اسی طرح بقیہ نمازوں میں بھی نیت کریں ۔
اسی طرح پہلی کے بجائے اگر آخری کی نیت کرے تو بھی درست ہے۔ یعنی جتنی فجر کی نمازیں فوت ہوئی ہیں، ان میں سے آخری فجر کی نماز کی قضاء پڑھ رہا ہوں۔ لہٰذا اگر کئی نمازیں قضاءہو اور ان کی تعداد اور اوقات معلوم نہ ہو تو اندازہ کرکے غالب گمان کے مطابق ایک تعداد مقرر کرلیجیے، اور مذکورہ طریقے کے مطابق نمازوں کی قضاء پڑھنا شروع کردیجیے۔

ایک دن کی تمام فوت شدہ نمازیں یا کئی دن کی فوت شدہ نمازیں ایک وقت میں پڑھ لیں، یہ بھی درست ہے۔عشاء کے ساتھ وتر کی قضاء بھی پڑھی جائے گی، اس لئے کہ وتر بھی واجب ہے۔ نیزایک آسان صورت فوت شدہ نمازوں کی قضاء کا یہ بھی ہے کہ ہر وقتی فرض نمازکے ساتھ اس وقت کی قضا نمازوں میں سے ایک پڑھ لیاکریں، (مثلاً: فجر کی وقتی فرض نماز ادا کرنے کے ساتھ قضا نمازوں میں سے فجر کی نماز بھی پڑھ لیں، ظہر کی وقتی نماز کے ساتھ ظہر کی ایک قضاء نماز پڑھ لیا کریں)،جتنے برس یاجتنے مہینوں کی نمازیں فوت ہوئی ہیں، اتنے سال یامہینوں تک اداکرتے رہیں۔ جتنی قضاءنمازیں پڑھتے جائیں ، اُنہیں لکھے ہوئے ریکارڈ میں سے کاٹتے جائیں، اِس طریقے سے ، ان شاء اللہ ،مہینہ میں ایک مہینہ کی اور سال میں ایک سال کی فوت شدہ نمازوں کی قضاءبڑی آسانی کے ساتھ ہوجائے گی ۔

کن نمازوں کی قضاء پڑھنا ضروری ہے

دن رات کی پانچ فرض نماز یں اور عشاء کی وتر۔ اگر جمعہ کی نماز فوت ہوگئی ہو، تو ظہر کی قضاء پڑھی
جائے گی۔البتہ فجر کی سنت فوت ہوئی ہو،تو صرف اسی دن سورج کی زوال سے پہلے پہلے سنت کی قضاء پڑھنا بہتر ہے۔اسی طرح جو نفل شروع کرنے کے بعد توڑی جائے اس کی قضاء پڑھنا بھی واجب ہے۔سنت کی قضاء نہیں،اسی طرح نمازِ تراویح کی بھی قضاء نہیں۔

مروجہ قضائے عمری کے بارے میں مختلف من گھڑت روایات

ا۔ بعض لوگ رمضان کے آخری جمعہ کسی ایک فرض کی قضاءپڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ پچھلے
سال کی قضاءنمازوں کیلئے کفارہ ہے،یہ عقیدہ باطل اور غلط ہے۔بدعتی حضرات اس کی دلیل میں جو
حدیث پیش کرتے ہیں، اسے حدیثِ رسول ﷺ سمجھنا آپ ﷺ پر بہتان اور جھوٹ ہے۔

ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ متوفی 1014ہجری اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

حدیث(:مَنْ قَضَى صَلَاةً مِنَ الْفَرَائِضِ فِي آخِرِ جُمُعَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ كَانَ ذَلِكَ جَابِرًا لِكُلِّ صَلَاةٍ فَائِتَةٍ فِي عُمُرِهِ إِلَى سَبْعِينَ سَنَةً) بَاطِلٌ قَطْعًا لِأَنَّهُ مُنَاقِضٌ لِلْإِجْمَاعِ عَلَى أَنَّ شَيْئًا مِنَ الْعِبَادَاتِ لَا يَقُومُ مَقَامَ فَائِتَةِ سَنَوَاتٍ ثُمَّ لَا عِبْرَةَ بِنَقْلِ النِّهَايَةِ وَلَا بِبَقِيَّةِ شُرَّاحِ الْهِدَايَةِ فَإِنَّهُمْ لَيْسُوا مِنَ الْمُحَدِّثِينَ وَلَا أَسْنَدُوا الْحَدِيثَ إِلَى أَحَدٍ مِنَ الْمُخَرِّجِينَ

”جس نے رمضان کے آخری جمعہ کوئی ایک فرض نماز کی قضاء پڑھی، تو یہ اس کیلئے ستر سال تک کی قضا نمازوں کیلئے کافی ہے۔“

یہ حدیث باطل اوراجماعِ اُمت کے خلاف ہے (اجماع یہ ہے کہ ہر فوت شدہ نماز کی فرداً قضاء پڑھی جائے گی)۔اسلئے کہ عبادات کی کوئی چیز کئی سالوں کی قضاءکا

قائم مقام نہیں ہوسکتا۔علاوہ ازیں صاحبِ 'نھایہ' یا 'ہدایہ' کے دیگر شارحین کا اس کو نقل کرنے کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ محدثین نہیں، اور انہوں نے اس حدیث کی سند بھی نہیں بتائی، (اس لئے من گھڑت ہے)۔"(موضوعاتِ کبیر،مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، حدیث نمبر:953،ص:242)

۲۔اس بدعتِ سیہ کے بارے میں روایات ایک دوسرے سے مختلف ہے، اور ہر روایت دوسرے سے طریقے اور کفارے کی تعداد کے لحاظ سے مختلف ہے۔ایک روایت یہ ہے:

حدیث:(من صلى في آخر جمعة من رمضان الخمس الصلوات المفروضة في اليوم والليلة قضت عنه ما أخل به من صلاة سنته).-------وصار كثير منهم يفعلون ذلك ولا أدري من وضعه لهم۔فقبح الله الكذابين۔

"(علامہ عبدالحئ لکھنوی متوفی 1304 ہجری علامہ شوکانی یمنی رحمہااللہ متوفی 1229 ہجری کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ)جو شخص رمضان کے آخری جمعے کو دن رات کی پانچ فرض نمازیں پڑھ لے، ان سے اس کے سال بھر کی جتنی نمازوں میں کمی و خلل رہا ہو، ان سب کی قضاءہو جاتی ہے۔"

یہ روایت من گھڑت ہے، یہ ان کتب میں بھی مجھے نہیں ملی جن کتب میں مصنفین نے من گھڑت روایات جمع کئے ہیں۔بلکہ یہ ہمارے زمانے میں صنعاء (یمن کا شہر)کے علماء کی ایک جماعت میں مشہور ہوئے۔ اور بہت سارے لوگ اس کو کرنے لگے، اور مجھے نہیں معلوم کہ یہ روایت کس نے بنائی ہے۔اللہ تعالیٰ اس روایت کو بنانے والے کو برباد کرے۔"(الآثارالمرفوعة في الأخبارالموضوعة)

۳۔ قضاءِ عمری سے متعلق ایک یہ روایت زبانی پھیلائی گئی ہے کہ جو رمضان کے آخری جمعہ میں چار

نفل ایک سلام سے پڑھ لے ، ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد سات مرتبہ آیۃ الکرسی اور پندرہ مرتبہ سورت اخلاص پڑھ لے ، تو تمام عمر کی قضاء نمازوں کا کفارہ ہوجائے گا،اگرچہ سات سوسال کی نمازیں فوت ہوئی ہو، تب بھی یہ چار رکعت نماز سب کی کفارہ کے لئے کافی ہے۔

۴۔ اسی مضمون کی ایک اور من گھڑت روایت میں سورت اخلاس کی بجائے پندرہ بار سورت کوثر پڑھنے کا ذکر ہے، اور سالوں کی تعداد اس میں بھی سات سو ہے۔

۵۔ یحییٰ منیری رحمہ اللہ کی طرف منسوب روایت میں دو سو سال کا کفارہ بیان ہوا ہے کہ :

''اگر نمازیں قضاء ہو گئی ہو،اور ان کی تعداد معلوم نہ ہو تو جمعہ کے دن جس وقت بھی چاہے ایک سلام سے چار رکعتیں پڑھے اور یوں نیت کرے:

''نویت ان اصلی للہ تعالی اربع رکعات صلوٰۃ النفل تکفیرا للصلوٰۃ القضاء التی فاتت منی فی جمیع عمری متوجھا إلی جھۃ الکعبۃ االلہ اکبر۔

ہر رکعت میں سورہ فاتحہ ایک بار ، آیۃ الکرسی ایک بار ، سورت کوثر پندرہ بار پڑھے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ! کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ سے سنا ہے کہ یہ دو سو برس کی قضا نماز کا کفارہ ہے۔فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا! کہ میں نے ﷺ کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ یہ چار سو برس کی قضا نماز کا کفارہ ہے۔اورحضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا ! کہ میں نے سید دو عالم ﷺ سے سنا ہے کہ یہ سات سو برس کی قضا شدہ نمازوں کا کفارہ ہے، اعداد کا اختلاف وحی کے اختلاف کی بناء پر ہے ،اصحابِ رسول ﷺ نے پوچھا! یارسول اللہ!ہماری اور دوسرے لوگوں کی عمریں تو ستر، اسی یا سو برس تک ہوا کرتی ہیں ، اتنی سالوں کا کیا مطلب ہے؟آپ ﷺ نے فرمایا :اس کے ماں باپ،

اقرباء اور اولاد کی نمازوں کا کفارہ ہے، اس نماز کے ادا کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے او رحضرت سرکار دو عالم پر سو مرتبہ درود بھیجے۔ دعا یہ ہے:

اللھم یا سابق الفوت ویا سامع الصوت ویا محیّی العظام بعد الموت صلی علی محمد وعلی آلہ محمد

وجعل لی خرجا ومخرجا مما انا فیہ انک تعلم ولا اعلم وانت تقدر ولا اقد روانت علاّمہ الغیوب

یاراحم العطایا ویا غافر الخطایا سبوح قدوس ربنا و رب الملئکۃ و الروح رب اغفر و ارحم و

تجاوز عما تعلم فانک انت العلی العظیم یا ساتر العیوب یا ذوالجلال والاکرام یا ارحم الراحمین

وصلی االلہ علیہ وسلم محمد والہ اجمعین"

اس روایت کے جاہل بنانے والے کو رسول اللہ ﷺ پر اتنا بے دریغ جھوٹ بولنے کا فن تو آتا ہے مگر اس بے غیرت کو اس حدیث کا پتہ نہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

﴿لَا يُصَلِّي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ، وَلَا يَصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ، وَلَكِنْ يُطْعِمُ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مُدَّ حِنْطَةٍ﴾

"کوئی کسی کی طرف سے نماز نہ پڑھے، اور نہ ہی کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھے ،بلکہ اس کی طرف سے ہر دن کے بدلے ایک مُد گندم فدیہ میں دیدے۔"
(مشکل الآثار)

پس یہ چھ یا سات مختلف طریقے ہوئے

۱۔ پہلی روایت میں رمضان کے آخری جمعہ کوئی ایک فرض نماز کی قضاء پڑھنے پر ستر سال تک کی قضاء نمازو کیلئے کافی ہونا بیان ہوا ہے۔

۲۔ دوسری روایت میں ایک دن کے فرائض پڑھنے پر ایک سال کے دوران پڑھی جانے والی نمازوں میں خلل، کمی کوتاہی کا کفارہ ہونا بیان ہوا ہے۔

۳۔ تیسری روایت میں رمضان کے آخری جمعہ ایک سلام کے ساتھ چار رکعت نفل پڑھنے اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی سات بار ،سورۃ الکوثر پندرہ بار پڑھنا ، اور سات سو سال کا کفارہ بیان ہوا ہے۔

۴۔ ایک اور روایت میں سورت اخلاص پندرہ مرتبہ پڑھنے پر تمام عمر کی قضاء نمازوں کا، بلکہ اگر سات سو سال ہو تب بھی، کفارہ ہونا بیان ہوا ہے۔اور ساتھ عربی زبان میں ایک دعا بھی دی ہے۔

۵۔ ایک روایت میں سورت قدر اور سورت کوثر پندرہ مرتبہ پڑھنا آیاہے اور اس میں دعا بھی مختلف دی گئی ہے۔

۶۔ ایک اور روایت میں چار رکعت ، ہر رکعت میں سورت فاتحہ ایک بار، آیۃ الکرسی ایک بار اور سورت کوثر پندرہ مرتبہ پڑھنا آیاہے۔۔۔۔ اس طرح اس نماز کے مختلف طریقے ہر جاہل ، مفت

خور اور مردار خورصوفی (پیر)نے بیان کئے ہیں۔

۷۔ کہیں دو رکعات نفل باجماعت پڑھتے ہیں، کہیں چار رکعت۔ اسی طرح کہیں دن رات کے پانچ

نمازیں باجماعت پڑھنے کا رواج ہے۔ اسی طرح کہیں رمضان کے آخری جمعہ کے بعد پڑھی جاتی ہے تو کہیں لیلۃ القدر کو۔ اس لئے کہ بے اصل، بے اصل ہی ہوتی ہے۔

ایک طریقے میں اللہ تعالیٰ کی گستاخی کی گئی ہے، وہ طریقہ یہ ہے:

قضائے عمری کا ایک طریقہ یہ بھی ابوبکر و علی رضی اللہ عنہما پر جھوٹ بول کر مشہور کیا گیا ہے کہ جس کی اپنی عمر بھر میں نماز فوت ہوگئی ہوں اور وہ اسے شمار

نہ کرسکتا ہو تو اسے چاہیے کہ رمضان کے آخری جمعہ میں کھڑا ہو، اور چار رکعات نماز ایک تشہد کے ساتھ ادا کرے، جس کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اورسورۃ القدر پندرہ مرتبہ پڑھے، اسی طرح سے سورۃ الکوثر بھی، اور نیت کے وقت یہ کہے کہ: میں نیت کرتا ہوں چار رکعات ان تمام نمازوں کے کفارے کے طور پر جو مجھ سے فوت ہوئی ہیں۔۔۔ پھر جب نماز سے فارغ ہو تو نبی کریم ﷺ پر سو مرتبہ کسی بھی صیغے کا درود بھیجے۔ پھر یہ دعاء تین مرتبہ پڑھے: (طوالت کی وجہ سے دعا نقل کرنے کی ضرورت نہیں ، البتہ اس دعا میں اللہ تعالی پر جو الزام لگایا گیا ہے وہ نقل کرتا ہوں: إلهي أنت تجد من تعذبه غيري۔ اے میرے اللہ! عذاب دینے کے لئے تجھے میرے علاوہ اور بھی لوگ ملیں گے۔"

یہ بڑی گندی بات ہے اس لئے کہ اللہ تعالی کسی کو عذاب دے کر خوش نہیں ہوتا،اس لئے اس مردار خور صوفی کی یہ بات قرآن کی اس آیت کے خلاف ہے:

﴿ مَّا يَفْعَلُ ٱللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَءَامَنتُمْ ﴾ (سورت نساء:147)

"اللہ تعالی تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا؟ اگر تم شکر گزار اور ایماندار رہو۔"

پس ثابت ہوا کہ یہ سب جاہل صوفیاء(پیرانِ باطل) کی گھڑنتو روایات ہیں، جس کے گھڑنے سے مریدوں کو جھوٹی تسلی کے طور پر خرافات میں پھنسا کر اُن پر اپنی علمیت(اصل میں جہالت) کا رعب جمانا ہوتا ہے ، اور اس طرح ان پیرانِ باطل کے سارے اخراجات جاہل مریدوں سے پورے ہوتے ہیں، اور آج کل بھی دیکھیں تو ہر پیر مریدوں کی حلال و حرام کمائی کی پراوہ کئے بغیر بھوکے اُونٹ کی طرح ہر گند ہضم کرتا ہے۔

ایک ہی عمل کے لئے یہ کئی طریقے خود اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ شریعت کا بتلایا ہوا عمل نہیں

ورنہ اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہوتا جو احادیث اور فقہ کی کتابوں میں نقل ہوتا۔بلکہ یہ صوفیاء کی گھڑنت ہے اس لئے کہ صوفیاء(پیرانِ باطل) مفت خوری کے لئے مریدوں کو ایسے اَناپ شناپ کے ذریعے اپنا معتقد بناتے اور اُن کی ذہنوں پر مسلط ہوتے ہیں۔ یہ اَناپ شناپ اور بکواسات مریدین کی نظر میں اس جاہل صوفی کی علم کا عروج سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ جاہل صوفیاء کی مجلسوں میں بیٹھنے والے لوگ اور اُن کے اکثر و بیشتر مرید بھی چرسی بھنگی، لوفر، زانی ، سمگلر اور قرآن و سنت سے دور بھاگنے والے جاہل ہی ہوتے ہیں۔

ہمارے گاؤں مندیزائی میں یہ قضائے عمری جمعہ پڑھنے کے بعد باجماعت پڑھی جاتی ہے ، جبکہ اس بارے میں مشہورسارے من گھڑت روایات میں کہیں بھی جماعت سے پڑھنے کا ذکر نہیں، بلکہ انفرادی طور پڑھنا مذکور ہے، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ بعد کے مولویوں کی اداکاری اور گمراہی ہے، شرعی کفارہ نہیں۔

بدعتی فرقوں کا اُستاذِ اعظم اِبلیس ہے

ایک ہی عمل کے اتنے سارے VERSIONS اور Models اس بات کا ثبوت ہے کہ دین میں ایسے ایجادات سکھانے والا ابلیس لعین ہے اس لئے کہ اس نے اللہ کے سامنے قسم کھائی تھی کہ وہ بنی آدم کو جہنم پہنچائے گا۔اس لئے شیطان نے اپنے پیروکاروں کو ایسے بدعات سکھائے جو شہد میں لپٹی چھپائی گئی زہر ہے جسے وہ خوشی خوشی شہد سمجھ کر کھائے گا۔ اسے ایسے گناہ میں مبتلا کرے گا جو وہ گناہ نہیں سمجھے گا تو اس سے توبہ بھی نہیں کرے گا، اس لئے کہ کون نیک کام سے توبہ کرے، حالانکہ وہ کام نیک نہیں ہوتا بلکہ نیکی کی لبادے میں بدترین گمراہی یعنی بدعت ہوتا ہے۔مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ شیطان کی اس کاری حربے کے بارے میں لکھتا ہے کہ :

''حدیث میں آتا ہے کہ شیطان جب راندہ درگاہ ہوا تو اس لعین نے قسم کھا کر کہا کہ یا اللہ!آپ نے آدم علیہ السلام کی وجہ سے مجھے مردود بنا دیا ہے،میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ جب تک دم میں دم ہے، اس کی اولاد کو گمراہ کروں گا۔حق تعالیٰ شانہ نے اس کے جواب میں فرمایا:میں بھی اپنی عزت اوربلند مرتبے کی قسم کھاتا ہوں کہ انہوں نے خواہ کتنے ہی بڑے بڑے گناہ کئے ہوں جب تک میری بار گاہ میں آکر معافی مانگتے رہیں گے کہ :یا اللہ!ہم سے حماقت ہوئی،معاف کر دیجئے میں ان کو معاف کرتا رہوں گا۔'' (مشکوٰۃ ،ص:204) اسلئے شیطان نے انسانیت کو گمراہ کرنے کیلئے''بدعات'' کا بے

خوف و خطر راستہ ایجاد کیا جن سے اُنہیں کبھی توبہ کی توفیق نہ ہو۔

شیطان معلم ملکوت رہ چکا ہے، اور وہ ہر جائز کو ناجائز اور ہر ناروا کو روا ثابت کرنے کی اتنی تاویلیں جانتا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اسکی ذُرِّیت (اولاد) بھی اس کو استا ذ مان جائے، اور پھر وہ ہر شخص کی نفسیات کا ماہر ہے۔وہ ہر طبقہ ،ہر گروہ اور ہر فرد کو الگ انداز میں گمراہ کرتا ہے۔۔۔۔۔۔

قرآن عظیم الشان نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھاکہ:﴿زَيَّنَ لَهُمُ ٱلشَّيۡطَٰنُ أَعۡمَٰلَهُمۡ﴾ ''شیطان نے ان کے اعمال کوان کے سامنے آراستہ کردئے ہیں۔''

العرض دینِ حق کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں شکو ک و شبہات پیدا کرنا اور نئی نئی نظریاتی اور

عملی بدعتوں کو ان کی نظر میں مزین کردینا یہ شیطان کا وہ کاری حربہ ہے جس سے وہ اللہ کی مخلوق کو بلاخوف و خطر گمراہ کر سکتا ہے۔''(اختلاف امت اور صراط مستقیم ، ص:101،102)

اس لئے یہ سارے بدعات بدعتی فرقوں کے مداری اور احمق صوفیاء*(پیرانِ باطل*) کی ڈرامہ بازی اورا داکاری کی پیداوار ہے۔اس نماز سے عمربھر کیا ایک دن کی نماز کی تلافی نہیں ہوگی، اور دین میں بدعت انجام دینے کی وجہ سے گناہ الگ سے ملے گا۔اس من گھڑت روایت کو بطورِ دلیل بیان کرنے والا، اس نماز کا کرنے والا اور ماننے والا بوجہ بدعت کے ، فاسق ہے،اور فاسق امام کی امامت مکروہِ تحریمی ہے۔لہٰذا یہ عوام کی خوشامد کے سوا کچھ بھی نہیں جو عوامی ایکسپریس مُلا مقتدیوں کو ناراض کرنے کی وجہ سے نہیں چھوڑتے۔مجھے اچھی طرح یا د ہے کہ 1986 یا1985 ء میں(جب

(*پیر، فارسی کا لفظ ہے،اور اُردو میں بھی اسی معنی میں مستعمل ہے، اور جسے ہم پیر کہتے ہیں ، اسے عربی زبان میں صوفی کہتے ہیں۔پیر کا معنی ہے رہنمائی کرنے والا جس کی پیری کی جاتی ہو، معمر شخص کو بھی پیر کہتے ہیں۔ پیر اگر اپنی پیری مریدی سو فیصد شریعت کی رہنمائی میں کرے، تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں، لیکن اگر وہ بدعتی ہو، قبر پرست ہو،شرکیہ عقائد کو اپنی خانہ ساز تاویلات سے جائز ثابت کرتا ہو ، تو ایسا پیر پیرِ باطل ہے اوراس کی طریقت گندگی کا ایسا ڈھیر ہےجس کے تعفن کی وجہ سے اس کے قریب گزرنا بھی ضرر سے خالی نہیں۔)

میں ساتویں میں پڑھتا تھا)، اس مسئلے پر اہلِ حق اور اہلِ زیغ (بدعتیوں) کے درمیان دوآبہ کے گاؤں نحقی میں مناظرہ ہوا تھا اور مناظرہ قضاءِعمری کے حامیوں نے بری طرح ہارا بھی تھا ، لیکن اہلِ
بدعت کیلئے حق اور باطل کی تمیز کوئی معنی نہیں رکھتی۔

علمائے اُمت کی طرف سے اس بدعتِ سیہیہ کا رَد

علامہ عبدالحئ لکھنوی رحمہ اللہ متوفی 1304 ہجری شاہ عبدالعزیز ہ متوفی 1239 ہجری کے رسالہ

عجالہ نافعہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ اپنی رسالہ عجالہ نافعہ میں من گھڑت روایت کے علامات ذکر کرتے

ہوئے لکھتے ہیں کہ من گھڑت روایت کی پانچویں علامت یہ ہے کہ یہ مقتضائے عقل کے خلاف ہوتی

ہے،اور شریعت کے قواعد اس کی تکذیب کرتی ہے، مثلاً قضاءِ عمری کی روایت، اور اس طرح دیگر

روایات۔۔۔۔۔''ابن حجر ہیثمی متوفی974 ہجری لکھتے ہیں کہ یہ جو بعض علاقوں میں رمضان کے آخری جمعہ پڑھنے کے بعد دن کی پانچ فرض نمازیں پڑھے جاتے ہیں اس گمان کے ساتھ، یہ ایک سال یا پوری عمر کے قضا ءشدہ نمازوں کا کفارہ ہے، اور یہ کام کئی وجوہ سے حرام ہے۔''

عبدالحئ لکھنوی رحمہ اللہ آگے لکھتے ہیں:

''اور بعض حضرات نے حمایۃ الفقہ نامی کتاب سے نقل کیا ہے کہ جمعہ کی آخری رمضان (بطورِ قضاء عمری)پانچ نمازیں پڑھنے کا کوئی جواز نہیں۔جیسا کہ کہا گیا ہے کہ یہ ستر سال کی قضاء نمازوں کی تلافی ہے۔اس لئے کہ اس سلسلے میں سارے روایات محدثین کے نزدیک من گھڑت ہیں،۔۔۔۔ اور اس نماز میں چند دیگر خرابیاں بھی ہیں:

پہلی خرابی یہ ہے کہ اقتداء کی شرائط میں سے امام اور مقتدی کے نماز کا متحد ہونا ضروری ہے۔اور یہ شرط یہاں ناپید ہے۔(فرض کریں کہ جمعہ کے دن مقتدی کی ظہر کی نما زفوت ہوئی ہے، اور امام کی عصر کی، اس لئے اقتداء میں اتحاد کا شرط پورا نہیں ہوتا ،اور مقتدی کا امام کے پیچھے اس نماز میں اقتداء ہی نہیں ہوئی تو نماز بھی نہیں ہوئی)۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ یہ نماز تمام فوت شدہ نمازوں کی تلافی کرتاہے،

جبکہ یہ اعتقاد رکھنااسلام کی بنیادی احکام کی بیخ کنی کے برابر ہے۔تیسری خرابی یہ ہے کہ یہ اپنی کبیرہ گناہوں کا اعلان اور تشہیر ہے، جو بذاتِ خود فسق ہے۔

چوتھی خرابی یہ ہے کہ یہ ایک بدعی ایجاد اور گمراہی ہے ، جس کی شریعت نے اجازت ہی نہیں دی ہے۔"(مجموعۃ رسائل اللکنوی)

علامہ إسماعیل بن محمد عجلونی متوفی 1162ہجری اس گمراہی کے بارے میں لکھتے ہیں:

حدیث(:مَنْ قَضَى صَلَاةً مِنَ الْفَرَائِضِ فِي آخِرِ جُمُعَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ كَانَ ذَلِكَ جَابِرًا لِكُلِّ صَلَاةٍ فَائِتَةٍ فِي عُمُرِهِ إِلَى سَبْعِينَ سَنَةً) بَاطِلٌ قَطْعًا لِأَنَّهُ مُنَاقِضٌ لِلْإِجْمَاعِ عَلَى أَنَّ شَيْئًا مِنَ الْعِبَادَاتِ لَا يَقُومُ مَقَامَ فَائِتَةٍ سَنَوَاتٍ ثُمَّ لَا عِبْرَةَ بِنَقْلِ النِّهَايَةِ وَلَا بِبَقِيَّةِ شُرَّاحِ الْهِدَايَةِ فَإِنَّهُمْ لَيْسُوا مِنَ الْمُحَدِّثِينَ وَلَا أَسْنَدُوا الْحَدِيثَ إِلَى أَحَدٍ مِنَ الْمُخَرِّجِينَ۔ انتھی۔

"جس نے رمضان کے آخری جمعہ کوئی ایک فرض نماز کی قضاء پڑھی تو یہ اس کیلئے ستر سال تک کی قضاء نمازوں کی تلافی ہے۔"علی القاری نے کہا:یہ حدیث باطل اوراجماعِ اُمت کے خلاف ہے اسلئے کہ عبادات کی کوئی چیز کئی سالوں کی قضاءکا قائم مقام نہیں ہوسکتا۔علاوہ ازیں صاحبِ 'نھایہ'یا 'ہدایہ' کے دیگر شارحین کا اس کو نقل کرنے کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ محدثین نہیں، اور انہوں نے اس حدیث کی سند بھی نہیں بتائی، (اس لئے من گھڑت ہے)۔"(كشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس)

محمد بن خلیل بن ابراہیم طرابلسی حنفی رحمہ اللہ متوفی 1305ہجری لکھتے ہیں:

"جس نے رمضان کے آخری جمعہ کوئی ایک فرض نماز کی قضاء پڑھی تو یہ اس کیلئے ستر سال تک کی قضاءنمازوں کیلئے کافی ہے۔"یہ متفقہ طور پر باطل سمجھا جاتا

ہے۔۔۔۔۔(آگے اس نے بھی ملا علی قاری کا حوالہ دیا ہے۔)"(اللؤلؤ المرصوع فیما لا أصل له أو بأصله موضوع)

علمائے دیوبند سے اس گمراہی اور بدعتِ سیہیہ کا رَد

مفتی اعظم مفتی عزیزالرحمن دیوبندی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"رمضان کے آخری جمعے کو چار رکعت نفل قضاء عمری کی نیت سے پڑھنا شرعاً بے اصل اور بے بنیاد

ہے۔"(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند،ج:1،ص:267)

مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہ شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ کے حوالہ سے موضوع اور من گھڑت احادیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

"پانچویں علامت یہ ہے کہ وہ حدیث عقل وشریعت کے تقاضوں کے خلاف ہو اور قواعدِ شرعیہ اس کی تکذیب کرتے ہو،مثلاً قضاء عمری کی حدیث۔"(فقہی مقالات ،ج: 4،ص: 23)

مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"نماز جس کو قضائے عمری کے نام سے اداکیاجاتاہے، اوراس کی مختلف صورتیں رائج ہیں،کہیں پانچ نمازیں اذان و اقامت کے ساتھ، اور کہیں چار رکعت نفل باجماعت اداکی جاتی ہے۔محض بے اصل اور اختراعی ہے۔شریعتِ مقدسہ میں اس کی کوئی اصل نہیں۔نہ ہی کسی حدیث میں آئی اور نہ ہی صحابہ کے قول یافعل سے ثابت ہے ،اور نہ مجتہدینِ اُمت سے منقول ۔۔۔ آگے لکھتے ہیں کہ فقہ حنفی کی کسی کتاب میں قضائے عمری کا ذکر نہیں کیاگیاہے، اور نہ س کی جماعت کو کراہت کے حکم سے سیہیہٰ کیاگیاہے۔اور یہ بھی یاد رہے کہ مکروہ خواہ تحریمی ہو یا تنزیہی ہو ،بہرحال وہ ممنوعِ شرعی ہے اور جو چیز شرعاً ممنوع ہے اس میں ثواب کی اُمید رکھنی احکامِ شریعت کو نہ سمجھنے پر مبنی ہے ۔

جس چیز کو شریعت منع کرتی اور مکروہ بتاتی ہے اس میں ثواب کیسا؟ اگر ثواب ہوتا تو وہ ممنوع اور مکروہ کیوں ہوتی؟ کیا شریعت ثواب کے کام کو بھی منع کرسکتی ہے ؟ نیکی کاکام وہی ہے جو اُصولِ شرعیہ کے موافق ہو ، ورنہ تو تمام بدعات بظاہر نیکی کے کام ہی ہوتے ہیں لیکن چونکہ شرعاً بے اصل ہوتے ہیں اس لئے وہ ناجائز اور ممنوع قرار دئے جاتے ہیں۔پس اس مصنوعی قضائے عمری کو ترک کرناہی شریعت کے موافق ہے کہ یہ بدعت ہے اور بے اصل اور ناقابلِ اعتماد اور فسادِ عقیدہ کو مستلزم ہے۔"(کفایت المفتی ، ج :3، ص:385,384)

دارالعلوم حقانہ اکوڑہ خٹک کے مفتیان سے پوچھے گئے ایک سوال کا جواب:

سوال: رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں بعض لوگ"قضاءِ عمری"کے نام سے دو رکعات

باجماعت پڑھتے ہیں، پڑھنے والوں کا نظریہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے عمر بھر کی قضاء شدہ نمازوں سے

ذمہ فارغ ہوجاتا ہے۔اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: نماز کی قضاء بذاتِ خود مشروع ہے، لیکن مروجہ قضاءِعمری کی یہ رسم بعض پٹھانوں کے علاقہ تک محدود ہے جو کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں،بلکہ قواعد اور اُصول سے متصادم ہے۔علمائے دیوبند نے اس کو بدعتِ سیہ میں شمار کیاہے، جو عوام کے لئے مہلک ہے۔اور خواص کو اس کی ضرورت نہیں، اس لئے کسی جگہ اس میں شرکت نہیں کرنی چاہئے۔"(فتاویٰ حقانیہ ،ج:3، ص: 301

بریلوی علماء نے بھی اس کا رَد کیا ہے

بریلوی علماء اور بریلوی عوام بدعات ایجاد کرنے کے ماہر ہیں، اور آئے روز نت نئے ایجادات کرکے عوام کو چونا لگاتے ہیں۔مگر اس بدعت کے بارے میں ان کا سرخیل احمد رضاخان بریلوی لکھتے ہیں:

''فوت شدہ نمازوں کے کفارہ کے طور پر یہ جو طریقہ (قضاءِعمری) ایجاد کر لیا گیا،یہ بدترین بدعت ہے، اس بارے میں جو روایت ہے، وہ موضوع (گھڑی ہوئی) ہے، یہ عمل سخت ممنوع ہے، ایسی نیت و اعتقاد باطل و مردود ، اور اس جہالتِ قبیحہ اور واضح گمراہی کے بطلان پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔'' (فتاوی رضویہ، 155/8،ط: رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

بریلوی عالم مفتی امجد علی اعظمی لکھتے ہیں:

''قضائے عمری کہ شبِ قدر یا اخیر جمعۂ رمضان میں جماعت سے پڑھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ عمر بھر کی قضائیں اسی ایک نماز سے ادا ہوگئیں،یہ باطلِ محض ہے۔''(بہارشریعت،708/4)

احادیث سے متعلق چند اصطلاحات:

قارئین کو یہاں حدیث کے بارے میں چند ضروری اور بنیادی باتیں بتاتے ہیں جس سے اُن کے لئے مذکورہ بالا بدعت کا رَد کرنا آسان ،قابلِ ہضم ہوگا۔

سند(Chain of Narrators)کی لغوی تعریف:

جس پر اعتماد کیاجائے ،یا جس کا سہارالیاجائے، اسے سند کہتے ہیں۔ ''سند '' کو اسی لئے سند کہتے ہیں کہ

متنِ حدیث کا اعتماد اور سہارا اسی پر ہوتاہے۔

سند کی اصطلاحی تعریف:

''رجال کا وہ سلسلہ جو متن (Text)تک پہنچائے۔''(الفھم الحیہیث فی اصطلاحات الحدیث،مطبوعہ اشاعت اکیڈمی پشاور،ص:42)

یا ''روایت کا وہ سلسلہ جوحدیث کے راوی سے حضور ﷺ تک تسلسل کے ساتھ قائم ہو۔ ''

یا ''رجال اور راویوں کا وہ سلسلہ جو متن تک پہنچے،یا '' ان رجالِ حدیث کو بیان کرناجنہوں نے ایک دوسرے سے حدیثیں لیں اور اس سلسلہ کو آخیر تک پہنچایا۔''(معجم مصطلحاتِ حدیث،مطبوعہ زمزم پبلشرز کراچی،ص:95)

یا د رکھئے کہ کوئی حدیث بلا سند ہر گز قابل قبول نہیں ہوتی خواہ اسے بیان کر نے والا کوئی بھی ہو۔ کیونکہ اس طرح یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کے راوی کس قماش کے لوگ تھے۔امام المحدثین عبداللہ ابن مبارک متوفی185 ہجری نے فرمایاہے کہ:

﴿ اَلْاِسْنَادُ مِنَ الدِّینِ وَ لَولاَ الاِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَاشَاءَ﴾

''سند سے حدیث بینا کرنا دین میں سے ہے۔اگر اِسناد نہ ہوتے تو جو کوئی جو بھی چاہتا کہہ دیتا۔'' (مقدمۃ صحیح مسلم،باب بیان ان الاسناد من الدین)

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ تابعین ،اتباعِ تابعین اور تمام متقدمین علماء اور محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سند کے بغیر کوئی روایت ہر گز ہر گز قابل قبول نہیں ۔بلکہ وہ نبی کریم ﷺ پر اِتہام و بہتان ہے ۔ اور سند کی موجودگی میں ہر راوی کی تحقیق لازمی ہے ۔امام ا بن سیرین رحمہ اللہ متوفی 110ہجری فرماتا ہے:﴿اِنَّ ھٰذَا الْعِلْمَ دِینٌ فَانْظُرُوا عَمَّن تَاخُذُونَ دِینَکُم﴾ (مقدمۃ مسلم،باب بیان ان الاسناد من الدین)

''یہ علم یعنی حدیث دین ہے ۔پس تم دیکھو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کرتے ہو۔''

اس لئے بغیر سند کسی بات کو قولِ رسول ﷺ کہنا ناجائز اور حرام ہے۔خواہ وہ بات کہنے والا کوئی بھی ہو۔ اسلام کسی عالم یا کسی کتاب کے نام سے متاثر ہونے کا نام

نہیں بلکہ اسلام مکمل اور غیر مشروط اطاعت کا نام ہے اور اطاعت یہی ہے کہ صحیح سند کے ساتھ منقول باتوں کو قبول کیاجائے اور بلاسند یا کمزور سند سے منقول باتوں کے ساتھ وہی معاملہ کیاجائے جو صحابہ کرام، تابعین عظام اور محدثین و فقہاء کا طریقہ تھا۔

بغیر سند حدیث بیان کرنے پر جلیل القدر تابعین کا انتباہ

امام زہری رحمہ اللہ متوفی124ہجری کے بارے میں منقول ہے کہ ایک بار اس کے سامنے مدینہ میں اسحاق بن عبداللہ نے نے ایک بے سند حدیث بیان کی : قال رسول اللہ ﷺ۔ اس پر امام زہری اس کو مخاطب ہوئے اور کہا کہ اللہ تمہارابراکرے،ابن ابی فروہ! کیسی جراء ت خدا کے سامنے کر رہے ہو؟ اپنی حدیث کی سند بیان کرو،ایسی حدیثیں بیان کرتے ہو جس کا نہ سر ہے ، نہ پیر۔'' (تاریخِ تدوینِ سنت،مطبوعہ نشریات لاہور،ص:444)

اس سے ثابت ہواکہ اس زمانے میں بھی جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے شاگردوں رحمہم اللہ کو یہ بات معلوم ہوچکی تھی کہ فتنہ گر عناصر اور جاہل لوگ رسولِ خدا ﷺ پر جھوٹ بولنے لگے ہیں اس لئے اس کا علاج انہوں نے یہ کیا کہ بے سند احادیث بیان نہ کرتے اور دوسروں کو بھی ایسا کرے سے منع کرتے۔

بغیر سند حدیث کی ایک مثال یوں سمجھئے:

دور ایک انسانی لاش چارپائی پر صحیح سالم بالکل سوئے ہوئے انسان کی طرح پڑی ہے، تو آپ اس کے بارے میں دو رائیں قائم کرسکتے ہیں ،یہ کہ .....یہ بندہ یاتوسویاہواہے ،.....یا یہ کہ یہ مردہ لاش ہے۔

لیکن اگر دور سے چارپائی پر ایک سر کٹالاش پڑی ہو تو ہر انسان پہلی نظر ہی میں کہے گا کہ یہ مرا ہوا ہے اس لئے کہ سر کے بغیر زندگی ناممکن ہے۔

پہلی مثال صحیح یا ضعیف حدیث کی ہے کہ سند کی موجودگی میں سلسلہ سند کے راویوں کو دیکھ کراس روایت کو صحیح یا ضعیف یا موضوع(من گھڑت، جعلی) کہاجائے گا۔

جبکہ دوسری مثال اس موضوع اور من گھڑت حدیث کی ہے جس کی سرے سے سند ہی نہ ہو بلکہ جاہل صوفیاء اور عوام میں زبانی مشہور ہو، یا جو جاہل پیر فقیر اب بھی باطل مذہب کی حمایت میں موقع پر بناکر پیش کرتے ہیں۔تو جب سند ہی نہ ہو تو اس کو صحیح یا ضعیف کس بنیاد پر کہاجائے گا ۔ اس

کاتو بس ایک ہی نام ہے اور وہ ہے من گھڑت، جس کا بیان کرنا حرام ہے ۔

اور دوسری قسم کی موضوع اور من گھڑت وہ روایت ہے جن کی سند تو موجود ہو اور جو کسی محدث نے نقل بھی کیا ہو مگر اُصولِ حدیث کی رُو سے اس میں ایسی روایتی اور دِرایتی کمزوریاں اور علتیں ہو جو اس کی من گھڑت اور موضوع ہونے پر دلیل ہو۔ایسے روایات کو دلیل میں پیش کرنا حرام اور ناجائز ہے ۔ ایسے روایت کا بیان کرناایک صور ت کے علاوہ کسی طرح بھی جائز نہیں، اور وہ صورت یہ ہے کہ لوگوں کو صرف اتنا کہاجائے کہ دیکھو جی!یہ ہمارے ،آپ کے آقا ﷺ پر جھوٹ بولا گیاہے ۔تم اس جھوٹ سے بچنا اس کو بیان نہ کرنا، اس کو حدیثِ رسول کے طور پر نہ ماننا، اس کو دلیل میں پیش نہ کرنا۔

سند کی مثال:

امام بخاری حدیث یوں روایت کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا سعيد بن عُفَير، قال:حَدَّثَنِي اَللَّيث، قال: حَدَّثَنِي عُقَيل، عن ابن شهاب عن حمزةبن

عبدالله بن عمر، أَنَّ ابن عمر، قال: سمعت رسول الله يقول:

(امام بخاری فرماتاہے کہ)ہم سے حدیث بیان کی:

سعید بن عفیر نے ،اس نے کہا کہ مجھ سے لیث نے حدیث بیان کی ، اس نے کہا مجھ سے عُقَیل نے

حدیث بیان کی، عقیل نے ابن شہاب سے ، ابن شہاب نے حمزہ بن عبداللہ بن عمر سے کہ عبداللہ بن عمر نے کہا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرمارہے تھے:

یہ مذکورہ سلسلہ سند (Chain of Narators) کہلاتاہے۔ اور اس Chain میں موجود ہر فرد ایک مستقل راوی(Narrator) ہے ۔ ہر راوی کے نام کے نیچے خط کھینچاگیاہے۔ اور ان تمام راویوں کو رِجال بھی کہا جاتا ہے۔

متن (Text):

متن یا Text وہ الفاظ ہیں جو حدیث کا راوی نبی کریم ﷺ سے نقل کرتاہے ۔

متن کی مثال:

﴿عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما قَالَ:لَا يُصَلِّي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ، وَلَا يَصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ، وَلَكِنْ يُطْعِمُ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مُدَّ حِنْطَةٍ﴾

"ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھے، اور نہ ہی روزہ رکھے ،بلکہ اس کی طرف سے ہر دن کے بدلے ایک مُد گندم فدیہ میں دیدے۔"(مشکل الآثار للطحاوی رحمہ اللہ)

راوی:(Narrator)

حدیث نقل کرنے والے کو راوی (Narrator) کہتے ہیں۔ یعنی حدیث کی سند میں ہر فرد کو راوی کہتے ہیں ۔ راوی کا جمع رُواۃ یا رُوَات ہے۔راوی کے ثقہ اور قابلِ اعتبار ہونے کے بارے میں امام مسلم نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں لکھاہے کہ:

''ہمیں حدیث بیان کی اسحاق بن ابراہیم حنظلی نے، اس نے کہا کہ ان کو خبر دی عیسی ابن یونس نے ،

اس نے کہا کہ ہمیں حدیث بیان کی امام اوزاعی نے سلیمان بن موسیٰ سے،فرمایا کہ میں نے طاؤس رحمہ اللہ سے ملاقات کی اور اس سے کہا کہ:

﴿حَدَّثَنی فُلَاناً کَیتَ وَ کَیتَ ، قَالَ اِنْ کَانَ صَاحِبُکَ مَلِیًّا فَخُذْ عَنْہُ﴾

''ہمیں فلاں نے یہ یہ حدیث بیان کی۔اس پر طاؤس نے فرمایا کہ اگر آپ کا استاد ثقہ ، معتبر ہو تو اس کی روایت قبول کرو۔'' (مقدمۃ صحیح سلم،باب بیان ان الاسناد من الدین)

اس سے ثابت ہوا کہ حدیث کا بیان کرنا کتنا حساس اور سنجید معاملہ ہے جبکہ آج کل جاہل پیر فقیر اپنی باطل مذہب اور قبر پرستی و شرک وغیرہ پر اَن پڑھ عوام کو پختہ کرنے کیلئے نہ صرف من گھڑت اور موضوع احادیث سے دلیل لیتے ہیں بلکہ اپنی طرف سے بے شرمی کے ساتھ بھی نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بول کر حدیث بناتے ہیں۔

صحیح حدیث:

جس حدیث کو کسی ایسے راوی نے ،جو عادل و ضابط ہو ،تسلسلِ سند کے ساتھ نقل کیا ہو، اور اس کے

تمام رُوات عادل و ضابط ہوں، او ر وہ روایت نہ شاذ ہواور نہ معلول ،تو ایسی روایت 'صحیح 'کہلاتاہے۔

(روایت لیتے وقت اس کو لفظ بلفظ محفوظ کرنے کی صلاحیت کو راوی کا ضبط کہاجاتاہے۔اور ایسے

راوی کو ضابط کہتے ہیں۔)

مندرہ بالا تعریف میں پہلی بات یہ ہے کہ صحیح حدیث کا ہر راوی عادل بھی ہو، ضابط بھی ہو۔عادل کا مطلب ہے کہ راوی مسلمان ہو، مشرک نہ ہو۔ سچا ہو، جھوٹا نہ ہو۔

ضابط کا مطلب ہے کہ راوی کا حافظہ صحیح ہو۔ حافظے سے بیان کرے تو حافظہ صحیح ہو۔ اپنی کاپی سے، اپنی کتاب سے بیان کرے تو اپنا خط صحیح طور پر جانتا ہو۔یعنی عادل اور ضابط کو آسان الفاظ میں ثقہ راوی کہتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ سند متصل ہو۔ یعنی سند کے ہر راوی کی اپنے استاد سے ملاقات ثابت ہو۔

تیسری بات یہ ہے کہ وہ روایت شاذ نہ ہو۔ یعنی ثقہ راویوں کے خلاف نہ ہو۔

چوتھی بات یہ ہے کہ معلول نہ ہو۔ اس میں کوئی علتِ قادحہ نہ ہو۔ یعنی محدثین نے اسے ضعیف قرار نہ دے رکھا ہو۔ تو یہ پانچ شرطیں ہوں گی تو صحیح ہوگی۔اب جس روایت میں یہ شرائط نہ ہو ، وہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہونے کے باوجود ضعیف کہلائے گا، اور ضعیف حدیث کی سب سے بدترین قسم من گھڑت(موضوع) ہے، جسے کسی نے اپنے پیٹ سے بنا کر جھوٹ موٹ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کی ہو۔

صحیح حدیث کا حکم:

صحیح حدیث عقائد اور احکام دونوں میں قابلِ حجت ہیں۔

موضوع (من گھڑت، جعلی)روایت

ضعیف حدیث کی بد ترین قسم موضوع کہلاتا ہے۔ وہ بناوٹی اور جھوٹی حدیث جس کا شمار حدیث کے سلسلہ میں کرنا ایک قبیح امر ہے کیونکہ موضوع اس روایت کو کہتے ہیں جسے راوی نے اپنے دل سے گھڑ کر حضور سرورِ کائنات ﷺ کی جانب جھوٹ

موٹ منسوب کر دیا ہو۔ اگر اس بات کا علم ہوجائے کہ فلاں روایت موضوع ہے۔تو ایسی حالت میں اس کا بیان کرنا حرام ہے۔بجز اس کے کہ
اس کا رَد مقصود ہو ، خواہ وہ روایت کسی مضمون سے تعلق رکھتی ہو۔

امام نووی رحمہ اللہ نے متوفی 676 ہجری موضوع روایت کی تعریف یوں کی ہے:

﴿اَلمَوضُوع: ہُوَ المُختَلِقَ المَصنُوع وَ شَرُّ الضَّعِیف﴾(تدریب الراوی،النوع الحادی والعشرون: الموضوع)

''موضوع ،من گھڑت اور بناوٹی روایت کا نام ہے اور یہ ضعیف کی بد ترین شکل ہے ۔''

جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ متوفی911ہجری اس کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''وہ روایت جس کے راوی سے روایتِ حدیث میں جھوٹ بولنا ثابت ہو جائے خواہ ایک ہی بات جھوٹ ثابت ہو مگر اس کی ساری مرویات موضوع کہی جائیں گی،اس کی روایت محدثین کے نزدیک قابلِ اعتبار نہ ہوگی۔'' (تدریب الراوی)

حدیث بناکر نبی کریم ﷺ کی طرف اس کی جھوٹی نسبت کرنا اکبر الکبائر یعنی کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑی گناہ ہے ۔ امام ابو محمد جوینی قصداً ایسا کرنے والے کو کافر اور مباح الدم (واجب القتل) قرار دیتے ہیں۔

موضوع روایت کا حکم

موضوع روایت کسی حال میں دلیل نہیں بن سکتا ،بلکہ موضوع حدیث کا دلیل میں پیش کرنا یا بیان
کرنے تک حرام ہے ۔

احادیث گھڑنے نبی کریم ﷺ کااپنی اُمت کو انتباہ

موضوع اور جھوٹی روایت کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف کرنے اور اس کے بیان کرنے سے خود نبی کریم ﷺ نے ان الفاظ میں اپنی اُمت کو خبردار فرمایاہے:

﴿مَنْ حَدَّثَ عَنّی بِحَدِیثٍ یَری اَنّہٗ کَذِبٌ فَھُوَ اَحَدُالْکَذَّابِین﴾

"جس نے میری طرف منسوب کرکے کوئی بات بیان کی حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔" (مقدمہ صحیح مسلم، باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ ﷺ)

نبی کریم ﷺ کی بات دراصل اللہ تعالیٰ کی بات ہے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ اپنی خواہشِ نفس سے کوئی بات نہیں کرتے :﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلۡهَوَىٰٓ إِنۡ هُوَ إِلَّا وَحۡيٌ يُوحَىٰ﴾(النجم:2،3)

"یہ نبی ﷺ اپنے جی سے کوئی بات نہیں کرتے مگر وہ جو اسے اللہ کی طرف سے بتائی جاتی ہے۔"

اس لئے نبی کریم ﷺ کی طرف کسی بات کو جھوٹ موٹ منسوب کرنا دراصل اللہ پر جھوٹ بولناہے ،اور اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم الشان میں فرمایاہے کہ اگر یہ نبی ﷺ بھی کوئی بات دل سے گھڑتے تو ہم اسے سزا دیتے:

﴿وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَيۡنَا بَعۡضَ ٱلۡأَقَاوِيلِ لَأَخَذۡنَا مِنۡهُ بِٱلۡيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ ٱلۡوَتِينَ فَمَا مِنكُم مِّنۡ أَحَدٍ عَنۡهُ حَٰجِزِينَ﴾(سورت ،آیت: 44تا 47)

"اور اگر یہ (محمد ﷺ) ہم پر کوئی بھی بات بنالیتا تو البتہ ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر پھر اس کی رگِ دل کاٹ دیتے۔پھر تم میں سے کوئی بھی اس سے روکنے والانہ ہوتا۔"

اس سے اندازہ کیجئے کہ آپ ﷺ پر جھوٹ بولنا دراصل کتنا بڑا اور سنگین جرم ہے۔

علمائے اُمت کا فیصلہ

قاضی عیاض رحمہ اللہ متوفی 544ہجری اس بار میں لکھتے ہیں:

''ان احادیث میں سے جو صحیح نہ ہو ،اُن کا اللہ تعالیٰ یا اُن کے انبیاء کے حق میں تذکرہ نہ کیا جائے ،اور نہ
اُنہیں بیان کیاجائے اور نہ اُن کے معانی کو صحیح محمل پر حمل کرنے کا تکلف کیا جائے ،اور صحیح طریقہ
ایسی روایات کے بارے میں یہی ہے کہ اُن کو طاقِ نسیان میں رکھ چھوڑا جائے ،اور اُن کی طرف کوئی
توجہ نہ دی جائے ۔البتہ اُن کا ذکراُن کا ضُعف بتانے کیلئے کیا جا سکتا ہے۔''

امام نووی رحمہ اللہ متوفی 676ہجری موضوع روایت کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

﴿تُحْرَمُ روايته مع العلم به فی اَیِّ مَعْنًی کان اِلَّا مُبَیِنًا﴾(تدریب الراوی،النوع الحادی والعشرون: الموضوع)

''اس کا دانستہ بیان کرنا حرا م ہے خواہ کسی بھی معنی میں ہو ،مگر یہ کہ اس کا موضوع (جھوٹا) ہونا بیان
کردیا جائے۔''

امام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں اس بارے میں لکھتے ہیں:

''جس کو کسی روایت کا موضوع ہونا معلوم ہو،یا اس کے ظنِّ غالب میں وہ موضوع ہو تو اس کیلئے
ہر گز جائز نہیں کہ اس حدیث کو بیان کرے ،اور جو یہ علم رکھنے کے باوجود کہ فلاں روایت موضوع ہے ، اس کو بیان کرتا پھرے ،اور اس کا موضوع ہونا بیان نہ کرے ،تو وہ اس شدید وعید میں داخل اور ان لوگوں میں شامل ہے جو رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ اور افتراء کرتے ہیں۔''

حافظ ذہبی متوفی 748ہجری نے ،حافظ ابن حجر852 ہجری اور حافظ سخاوی902 ہجری نے امام بخاری رحمہم اللہ اجمعین متوفی256ہجری کے حوالہ سے لکھاہے:

''جو شخص موضوع حدیث بیان کرتاپھرے تو اسے سخت سزا دینی چاہئے اور اسے عرصہ دراز تک جیل میں ڈال دینا چاہئے۔''

خطیب بغدادی رحمہ اللہ متوفی 463ہجری اس بارے میں لکھتے ہیں:

''محدث پر لازم ہے کہ موضوع اور باطل اخبار واحادیث اور روایات کو قطعاً بیان نہ کرے ۔ اگر کوئی

ایسا کام کرے گا تو وہ بہت بڑا گناہ گار اور کذابین کی جماعت میں داخل ہوگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی خبر دی ہے۔''

امام ابن صلاح رحمہ اللہ متوفی 643ہجری اس بار میں لکھتے ہیں:

''جس کوکسی روایت کا موضوع ہونا معلوم ہوجائے تو اس کیلئے جائز نہیں کہ وہ اسے موضوع کہے بغیر

بیان کرے۔''

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ متوفی 852ہجری اس بار میں لکھتے ہیں:

''محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ موضوع روایت کو بیان کرنا حرام ہے۔صرف اس وقت اس کی اجازت ہوگی کہ اس کا موضوع ہونا بیان کیاجائے۔''

چونکہ موضوع روایت کا بیان کرنا ہی حرام ہے اس اس سے کسی عقیدے یا عمل اور اس کی فضیلت کا

اثبات قطعاً غلط ہے۔چنانچہ جلیل القدر تابعی زید بن اسلم رحمہ اللہ متوفی 136ہجری موضوع

روایت دلیل میں پیش کرنے والے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جس نے ایسی حدیث پر عمل کیا جس کا موضوع ہونا ثابت ہو ،تو وہ شیطان کے خُدام میں سے

ہے۔''(الموضوعات الصغانی، تحقیق و تعلیق سراج الاسلام ، العلم پبلشنگ ، محلہ جنگی پشاور ، (12,11,10:

علامہ شریف جرجانی حنفی رحمہ اللہ متوفی 816 ہجری کہتے ہیں:

﴿لا یحل روایۃ الموضوع للعالم بحالہ فی ای معنی کان الا مقرونا ببیان الوضع﴾

''موضوع روایت کے واقفِ حال کیلئے جائز نہیں کہ وہ کسی بھی معنی میں اسے بیان کرے ،الا یہ کہ اس کا من گھڑت ہونا واضح کرے۔''

حدیث وضع(گھڑنے،بنانے) کرنے والے کا حکم:

موضوع روایات کی طرح ان کو وضع کرنے والوں کے بارے میں بھی علماء اور محدثین نے سخت موقف اختیار کیاہے۔ان کے نزدیک حدیث وضع کرنے والا گویا اسی سلوک کا مستحق ہے جو سلوک مرتد اور مُفسِد کے ساتھ کیاجاتاہے۔ابو محمد جوینی نے ایسے شخص کی تکفیر کی ہے یعنی اس کو کافر کہا ہے ۔ اور بعض نے اس کو اکبر الکبائر کا مرتکب گرداناہے ۔ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ متوفی748 ہجری نے امام ابو داؤ د کے حوالے سے لکھا ہے کہ یحیی بن معین نے سُوَید الانباری کے بارے میں کہاہے کہ وہ حلال الدم ہے یعنی اس کا قتل حدیث بنانے کی جرم کی وجہ سے جائز ہے ۔

واضعِ حدیث کاتوبہ:

امام احمد ابن حنبل 241ہجری سے ایک راوی کے بارے میں پوچھاگیا، جس نے ایک جھوٹی حدیث

بیان کی ، پھر توبہ کرلی،تو امام صاحب نے جواب دیا کہ اس کی توبہ اللہ اور اس کے درمیان ،مگر اس سے حدیث کبھی نہیں روایت کی جائے گی۔یعنی توبہ کے بعد بھی اس کی حدیث قبول نہیں۔

ان مذکورہ بالا حقائق کے پیشِ نظر یہ بات ثابت ہوگئی کہ نہ ہی ہر راوی کی روایت مقبول ہوتی ہے اور نہ ہی ہر راوی ثقہ اور قابلِ اعتماد ہوتاہے ،اس لئے کس سے روایت قبول کی جائے ؟

جاہل صوفیاء اور مفاد پرست پیرانِ طریقت احادیث بیان کرنے میں کتنے گمراہ تھے۔اس بارے میں

علامہ ابن جوزی متوفی 597ہجری کو کہناپڑا کہ:﴿اِذاوَقَعَ فِی الاسْنَادْ صُوفِی فَاغْسِلْ یَدَیکَ مِنْہُ﴾

جب کسی روایت کی سند میں کوئی صوفی آئے تو اس روایت سے ہاتھ دھونا ۔ یعنی اس کی ٹھیک ہونے کی اُمید نہ رکھنا۔'' (العرف الشذی للکشمیر ی ص:50بذیل حدیث رقم:17)

بلکہ پیرانِ باطل کا یہ گمراہانہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔ اور جاہل پیرانِ طریقت اب بھی رسول اللہ

ﷺ پر جھوٹ بول کر اپنی نان روٹی کماتے ہیں:

10فروری بروزِ اتوار2008ہمارے ایک رشتہ دار کے جنازے میں ہمارے گاؤں کے ایک نام نہاد جاہل پیرنے نبی کریمﷺ پر یہ جھوٹ بولا،صرف مریدین کی تعداد بڑھانے کیلئے:

''کہاکہ ایک بار علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے گھٹنوں سے اپنے گھٹنے ملائے اور آپﷺ سے کہا کہ مجھے کچھ دیجئے ۔آپﷺ نے فرمایا کہ یہی ﴿لَآ

إِلَٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ﴾ پڑھا کرو۔ اس نے کہا کہ: اَخَصَّ لِی فِیہِ مجھے اس میں کچھ خاص کیجئے۔"

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿لَآ إِلَٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ﴾(یعنی ان بریلوی، سیفی انداز میں زور زور سے ایک سانس میں)۔اس پیر کا مقصد یہ تھا کہ لوگ میری بیعت کرے۔اور اس واقعہ کو یوں پیش کیا جیسے اس وقت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیعت ہوئے۔ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت۔

اور حوالہ دیا ترمذی شریف کا ،جبکہ ترمذی شریف میں تو کہاں؟ کسی بھی حدیث کی کتاب میں یہ روایت دستیاب نہ ہوسکی۔ اور نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولنا کفر ہے۔اس کو میری طرف سے دعوت ہے آئے میرے سامنے اس بات کی صفائی کیلئے۔

اس کا یک شاگرد ہے خٹ کورونہ کا امام ہے ، اس نے کئی بار یہ بات رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرکے کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تہتر فرقوں کا ذکر کیا تو صحابہ نے پوچھا کہ اس وقت کون حق پر ہوں گے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایاکہ جو اپنے آباؤاجداد کےطریقے پر ہوں گے۔یا اپنے آباؤ اجداد کے طریقوں کو لازم پکڑو۔(پشتو میں کہا : دَ پلار نیکہ طریقے راٹینگے کئ۔)

جبکہ اس کی یہ بات نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولنے کے ساتھ ساتھ قرآن کی صریح آیات کے خلاف بھی ہے، آباؤ اجداد کے طریقوں کی مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتاہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ٱتَّبِعُواْ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ قَالُواْ بَلۡ نَتَّبِعُ مَآ أَلۡفَيۡنَا عَلَيۡهِ ءَابَآءَنَآۚ أَوَلَوۡ كَانَ ءَابَآؤُهُمۡ لَا يَعۡقِلُونَ شَيۡـٔٗا وَلَا يَهۡتَدُونَ﴾ (سورت بقرۃ،آیت : 170)

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تابعداری کرو ان احکام کی جو اللہ عزوجل نے تمہاری طرف

اُتارے ہیں تو کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ ہم تابعداری کریں گے ان چیزوں کے جن پر ہم نے اپنے باپ

دادوں کو پایا ہے،کیا اگر ان کے آبائو اجداد نہ ہی کچھ جانتے ہو اور نہ ہی ہدایت پانے والے ہو(تب بھی یہ لوگ ان کی پیروی کریں گے؟)۔"

اور تہتر فرقوں میں وہی فرقہ کامیاب اور ناجیہ ہے جواللہ تعالیٰ کی شریعت کے مقابلے میں باپ داد کے طریقے مسترد کرتے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے اپناتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے :

"لَيأتِيَنَّ على أُمَّتِي ما أتى على بني إسرائيلَ حَذْوَ النَّعْلِ بالنَّعْلِ، حتَّى إنْ كانَ منهم من أتَى أمَّهُ عَلانيةً لكانَ في أُمَّتي من يصنعُ ذلكَ، وإنّ بَني إسرائيلَ تَفرَّقَتْ على ثِنْتينِ وسَبْعينَ مِلّةً، وتفْترقُ أُمَّتي على ثلاثٍ وسَبْعينَ مِلّةً، كُلُّهُمْ في النَّارِ إلّا مِلّةً واحدةً، قالوا: من هي يا رسولَ اللهِ؟ قال: "ما أنا عليه وأصحابي (ترمذی ، کتاب الایمان ،باب افتراق الامۃ)

"میری اُمت پر بھی وہی کچھ آئے گا جو بنی اسرائیل پر آیااور دونوں پر اتنی مطابقت ہوگی جتنی جوتیوں کے جوڑے میں ایک دوسرے کے ساتھ۔یہاں تک کہ اگر ان میں کسی نے اپنی ماں کے ساتھ اعلانیہ زنا کیا ہو تو میری اُمت میں بھی ایسا ہی ہوگا،اور بنی اسرائیل 72 فرقوں میں تقسیم ہو چکے تھے ،اور میری اُمت 73 فرقوں میں تقسیم ہوگی ،سب کے سب دوزخ میں جائیں گے ماسوائے ایک فرقہ کے۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ وہ نجات پانے والا فرقہ کونسا ہے؟ فرمایا: "وہ میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقے پر ہوں گے ۔"

سوادِ اعظم کی تعریف کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ذَرُوا الْمِرَاءَ، فَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ افْتَرَقُوا عَلَى إِحْدَى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، وَالنَّصَارَى عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً كُلُّهُمْ عَلَى الضَّلَالَةِ إِلَّا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ» . قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَنِ السَّوَادُ الْأَعْظَمُ؟ قَالَ: «مَنْ كَانَ عَلَى مَا أَنَا عَلَيْهِ، وَأَصْحَابِي مَنْ لَمْ يُمَارِ فِي دِينِ اللهِ

"شک کرنا چھوڑ دو،بے شک بنی اسرائیل 71فرقوں میں بٹ گئے تھے اور نصاری 72فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری یہ امت 73 فرقں میں بٹ جائے گی

۔{سوادِ اعظم} کے علاوہ سب جہنم میں جائیں گے۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ {سوادِ اعظم} سے کون لوگ مراد ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ:''میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقے پر چلنے والے لوگ اور وہ جو اللہ کی دین میں شک نہیں کرتے۔۔۔۔۔۔۔۔''(طبرانی فی الکبیر)

بدعتی جب نبی کریم ﷺ کے طریقے سے رُو گردانی کرتے ہیں تو سوادِ اعظم سے خارج ہوجاتے ہیں۔ابن عابدین شامی رحمہ اللہ متوفی1253 ہجری{ تعامل } کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

ویکفیک ذم اللہ تعالیٰ الذین:﴿قَالُوٓاْ إِنَّا وَجَدۡنَآ ءَابَآءَنَا عَلَىٰٓ أُمَّةٖ وَإِنَّا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم مُّهۡتَدُونَ ﴾(سورت زخرف آیت:22)

''اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کی مذمت کافی ہے جنہوں نے کہا:

''ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا اور ہم انہی کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔''(مجموعۃ رسائل ابن عابدین شامی،مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ ملتان،جز:1،ص:188)

اس سیفی مولوی سے یہ بات قبرستان میں تقریر کرتے ہوئے میں نے بھی سنی ہے، قاری عبدالکریم کی مسجد میں بھی تقریر کرتے وقت اس نے رسول اللہ ﷺ پر یہ جھوٹ بولا تھا۔

اگر کوئی کہے کہ تم نے اس وقت اس پراعتراض کیوں نہیں کیا ، یا اس سے حوالہ کیوں نہیں مانگا۔ تو

جواب یہ ہے کہ پرائے جنازے میں ہنگامہ کھڑا کرنے کی اجازت کون دے گا ۔ مجھے اگر جنازے والے ورثاء کہے کہ اس مولوی کی غلط بات پکڑو ، ہم ناراض نہیں ہوں گے، جو بھی ہو، تو اللہ کی قسم

میں پھر دریغ نہیں کروں گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم بھی شک میں پڑتے ہیں تو بات شک سے یقین تک پہنچانے کے لئے تحقیق کرتے ہیں، علماء سے پوچھتے ہیں۔

یہ باتیں میں نے اس لئے لکھے کہ نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولنے کا سلسلہ اگر نہ روکا گیا تو اصل دین پیچھے رہ جائے گا ۔اور جعلی روایات کے سہارے بنے اعمال(جیسے قضائے عمری اور رمضان کا تہیہ سواں کی بدعاتِ سیہ وغیرہا من البِدَع) پر عمل کرنا فرض سمجھا جائے گا۔پیرانِ باطل جب پھنس جاتے ہیں، یا عوامی سپورٹ خطرے میں پڑجاتی ہے تو جھوٹ بولنا تو چھوٹی بات ہے، یہ ابلیس کو سجدہ کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اسلئے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ دین سیکھے، اور تقابلی مطالعہ کے ذریعہ ان باطل فرقوں کی حقیقت معلوم کرے۔

کمیہا الاحقر الی اللہ اکبر علی مندیزائی۔۔۔وٹس ایپ: 03109804145